عقائد کی بنیاد عموماً عقل اور منطق پر نہیں ہے ، اس میں بڑا حصہ ایمان بالغیب یا توہمات یا اساطیر کا بھی پایا جاتا ہے ۔ اسلام نے ایمان بالغیب کو باقی رکھا ہے کیوں کہ یہی نظریۂ آخرت کی بنیاد بن سکتا ہے مگر توہمات اور اساطیر کو بالکل بےدخل کر دیا ہے ۔ نظریۂ آخرت کو بھی عقل اور منطق کی روشنی میں پرکھا جا سکتا ہے ، اس کے سوا معاملات اور معاش کے جتنے احکام ہیں وہ خالصتہً عقل پر مبنی ہیں ۔ اسلام واحد مذہب ہے جو تاریخ کی روشنی میں پیدا ہوا ہے ، جس کے رسول ﷺ کی زندگی اور افعال و اقوال کو محفوظ رکھا گیا ہے ، جس کے رسول پر نازل ہونے والی کتاب تحریف سے پاک ہے اور جس مذہب کے پیرووں نے ہر دور میں تاریخی شعور کا ثبوت دیا ہے ۔ تاریخی شعور عقلیت کی نفی کے ساتھ نہیں رہ سکتا ۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مذہب اسلام میں وہ عقلیت پسندی موجود ہے جو سائنس کی نشو و ارتقاء کے لیے شرط اول قدم ہے ۔

اسلام کا تاریخی شعور اس امر سے ظاہر ہے کہ ابتداء ہی سے مسلمانوں نے تاریخی وقائع کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا اور اسے اصول شہادت (Law of Evidence) کی بنیاد پر فراہم کیا ۔ ان روایات کے ساڑھے پانچ لاکھ ناقلین کے حالات نقد و تحلیل کے ساتھ جمع کیے اور متضاد روایات کو پرکھنے کے لیے علم الاصول وضع کیا ۔ اسلام کی زندگی کے ایک ہزار برسوں میں جتنا تاریخی سرمایہ ہمیں ملتا ہے وہ دنیا کے کسی دوسرے بڑے مذہب کو نصیب نہیں ہو سکا ۔

اس تاریخی شعور کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ ایک واضح سماجی شعور بھی پیدا ہو ۔ اس کا اندازہ اسلام کے سماجی قوانین کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے ۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے عہد خلافت میں جو اصلاحات نافذ کیں وہ ایک نہایت ترقی یافتہ سماجی شعور کا پتہ دیتی ہیں ۔ انھوں نے اعلان کیا :

واللہ لئن بقیت الی هذا العام المقبل لالحقن أخر الناس بأوّ لهم ولأجعلنّهم رجلاً واحداً .

خدا کی قسم اگر میں آنے والے سال تک زندہ رہ گیا تو آخری آدمی کو پہلے سے ملا دوں گا اور تمام انسانوں کو ایک جیسا بنا کر چھوڑوں گا ۔

دوسرے موقع پر حضرت عمر نے فرمایا :

واللہ لئن سلمنی اللہ لأدعنّ أرامل أهل العراق لایحتجن الی أحد من بعدی أبدا

خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھے سلامت رکھا تو عراق کی بیواؤں کو اس حالت میں چھوڑ جاؤں گا کہ وہ میرے بعد ہر گز کسی کی دست نگر نہ رہیں ۔

عہد حاضر کے نظامہائے حیات میں سماجی تحفظ (Social Security) کی اس سے زیادہ کون سی ضمانت دی گئی ہے ؟

تاریخی اور سماجی شعور کسی قوم میں اتنا ترقی یافتہ ہو اور سائنسی شعور موجود نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں ہے ۔ اس لیے اسلام اپنے سیاسی انتشار کے دور میں بھی کبھی عقلیت اور سائنس کا حریف نہیں رہا ۔ قرآن کریم کی پہلی وحی کا پہلا لفظ " اقرأ "

ہے یعنی پڑھ ۔ مگر اس کے آگے وہ بات ہے جو جدید مغربی سائنسی فکر کو نہیں بھاتی ، یعنی " باسم ربک الذی خلق " ۔ یہیں سے اسلامی مذہبی فکر اور مغربی سائنسی فکر کا اختلاف شروع ہو جاتا ہے اور یہ فاصلہ بڑھتے بڑھتے بعد المشرقین میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔

ہمارے قدیم علماء اور مفسرین بھی جب اولیات تخلیق سے بحث کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ۔ قرآن قلم کی حرمت کی قسم کھاتا ہے " نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (۶۸ ـ ۱) ۔ اور قلم کو وسیلہ علم سمجھتا ہے ، " عَلَّمَ بِالْقَلَمِ " ۹۶ ـ ۴) ۔ اور علم وہ ہے جو سب سے پہلے آدم کو ودیعت کیا گیا اور جو اس کے لیے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب بنا ۔ "وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا " (۲ ـ ۳۱) ۔ یہ تعلیم خود مبدأ فیاض سے ملی تھی اس لیے انسان کو ملائکہ سے بھی افضل قرار دیا اور کہا کہ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالاَ تَعْلَمُوْنَ " (۲ ـ ۳۰) ۔ دوسرے مذاہب میں طاقت کے مختلف مظاہر کو دیوتا کہا جاتا ہے اور انسان سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ان کو سجدہ کرے ۔ یہاں فرشتوں کو (جو بمنزلہ دیوتا ہیں اور لفظ ایل بمعنی الہ جن کے نام کا جز ہے) حکم دیا جاتا ہے کہ انسان کے سامنے سجدہ ریز ہوں ۔ " وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْ لِاٰدَمَ فَسَجَدُوا اِلاَّ اِبْلِيْسَ ° اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۲ ـ ۳۴) ۔ ابلیس نے سجدہ کرنے سے استکبار کے سبب انکار کیا ، یعنی وہ فرشتوں کو انسان سے افضل ماننے والوں میں سے تھا ، اس لیے اسے ابد تک کے لیے مظہر شروفساد قرار دے دیا گیا ۔ اس لیے کہ خیر و

صلاح انسانی عظمت کا اعتراف کرنے ھی میں ھے - اس سے زیادہ عقلی اور سائنسی رویہ کیا ھو سکتا ھے ؟ علم چونکہ شرف انسانیت ھے اس لیے اس کا احترام بھی واجب قرار دیا گیا - یعنی ادنی درجہ یہ ھے کہ اگر خود علم حاصل نہ کر سکے تو علماء سے محبت اور ان کا احترام کرے - اور علم کے پانچ مدارج مقرر کیے -

اول العلم الصمت والثانی الاستماع والثالث الحفظ والرابع العمل والخامس نشرہ -

جدید اصطلاح میں علم Science ھی کو کہتے ھیں - اس سے یہ سمجھنا غلط ھو گا کہ علم کے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ھے وہ صرف علم دین تک محدود ھے -علمائے قدیم نے تمام علوم کو سمیٹ کر دو خانوں میں بانٹ دیا - ایک کو وہ منقول کہتے ھیں جس کا تعلق تاریخی شعور سے ھے - دوسرے کو معقول کہا جاتا ھے جس کی بنیاد عقلیت پسندی پر ھے - مشہور مقولہ ھے ، العلم علمان علم الادیان و علم الابدان - یعنی علم کی دو قسمیں ھیں Physics اور Metaphysics - ان میں سے کسی کو کمتر بتایا گیا ھے نہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دی گئی ھے - لیکن اسلامی سائنٹفک نظریہ یہی ھے کہ علم کی ان دونوں شاخوں کو ایک وحدت کے روپ میں دیکھا جائے ، نہ ان کو ایک دوسرے سے بیگانہ سمجھا جائے نہ ان میں سے کسی کی نفی کی جائے - مغربی سائنسی فکر نے Physics اور Metaphysics کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ مذھبی عقائد سے عقلیت معدوم ھو گئی اور سائنس عقیدے سے محروم ھو گئی - ریاضی اور الجبرا میں بال کی کھال

کھینچنے والی قــوم آج بھی تثلیث میں وحدت ، پر ایمان رکھتی ہے ، چاہے ریاضی لاکھ سـر پٹکے کہ تین ایک اور ایک تین کیسے ہو سکتے ہیں ، مـگر انھوں نے بنا کر دکھا دیا ـ

اسلام میں بالکل ابتدا ہی سے حفظ روایات کا اہتمام ہـوا ، پھر تدوین و تحقیق شروع ہو گئی ، اور اصول و کلیات وضع ہونے لگے ـ حضرت عـلی نے ابو الاسود الدؤلی کو عربی زبان کی قواعد لکھنے پر مـامـور کیا تو یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا ـ عہد بنی امیہ کے آغاز ہی مین عـلم الکیمیا خاصی ترقی کر چکا تھا ـ یزید بن ابی سفیان کو کیمیا سازی کا شوق تھا اور کشتے پھونکنے کے لیے اس نے متعدد قسم کے تیزاب ایجاد کر لیے تھے ـ

اسلام ترقی علوم کے خلاف نہیں تھا ، اسی لیے عہد عباسی میں دارالحکمۃ قـائم ہوا ـ سنسکرت اور یونانی اور فارسی سے طب ، فلسفہ اور منطق کی کتابوں کے تراجم ہونے لگے ـ سائنس کی ترقی سے اسلام کو کوئی خطرہ نہیں تھـا اس لیے کہ قرآن نے خود بار بار دعـوت دی ہے کـہ اپنے نفس میں غور کرو « وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ۰ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ » (۵۱ ـ ۲۱)«مظاہر کائنات میں غور و تـدبر سے کام لو » اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ (۸۸ ـ ۱۷ ، ۱۸) پھر اس پر غور کرو کـہ جـو شے عـدم سے وجـود میں آئی ہے کیا وہ پھر وجود سے عدم میں نہ جائے گی اور جو اسے ایک بار لباس وجود دے سـکتا ہے کـیا اسے یہ قـدرت حـاصـل نہیں ہے کـہ وہ بوسـیدہ ہڈیوں میں پھر جان ڈال دے ـ غرض تفکر فی الکائنات اور حکمت تکوین میں تامل و تدبر قرآن کی اساسی تعلیم

ہے ۔ جتنا کائنات کے اسرار سے پردے اٹھاتے جاؤ گے اللہ کا خوف اپنے دل میں زیادہ پاؤ گے ، „ اِنَّمَا یَخْشَی اللہَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ " (۳۵ ۔ ۲۸) عیسائیت نے سائنس کی مخالفت اس لیے کی تھی کہ وہ اسلام کی طرح حکمت تکوینی میں غور کرنے کی دعوت نہیں دیتی تھی ۔ اسے اپنی بنیادیں متزلزل ہوتی نظر آئیں تو اس نے سائنس کی مخالفت میں محاذ قائم کر لیا اور چونکہ اس کی بنیاد عقلیت پسندی پر نہیں تھی اس لیے سائنس سے اسے شکست کھانی پڑی ۔ آخر سمجھوتہ اس پر ہوا کہ علوم طبیعیات Physical Sciences سے خدا کو بےدخل کر دیا جائے ۔ تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش ۔

اسلام نے کبھی عقلیت کی نفی نہیں کی اور طبیعیات و مابعد الطبیعیات کے رشتے کو جوڑے رکھا ۔ اس کی بہترین مثال یہ واقعہ ہے کہ جب حضرت ابراهیم بن محمد ﷺ کا انتقال ہوا اتفاق سے اسی دن سورج گہن بھی ہو گیا ۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ ابراهیم کی وفات کے باعث ہوا ہے ، صدمے سے سورج کا کلیجا بھی شق ہو گیا ہے ۔ ایک بےپڑھی لکھی قوم کے عقیدت مندوں کو اس عقیدے پر اور بھی راسخ کر دینا کچھ دشوار نہ تھا ۔ ادنیٰ درجہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر خاموش رہتے ، نہ ان کی تائید کرتے نہ تردید ۔ مگر آپ نے فرمایا :

ایّہا الناس ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینکسفان لموت أحد ولا لحیاۃ أحد فاذا رأیتم ذلک فافزعوا الی المساجد ۔ و دَمَعت عیناہ

لوگو ! چاند سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ، یہ

کسی کی مـوت یا زندگی پر نہیں گہـناتے ، جب تم ایسا دیکھو تو مسجـدوں میں جـاؤ (عبادت کرو) یہ کہتے ہوئے آپ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں ۔

اس روایت میں بھی ,, فافزعوا الی المساجد ،، کے الفاظ طبیعیات و مابعد الطبیعیات کے رشتے کی گواہی دے رہے ہیں ۔ مسلمان کبھی علوم سے بدکے نہـیں ۔ یونانی فلسفہ کے عـربی تراجم نے بہت سے عقائد پر کاری ضرب لگائی اور عـلماء کو لایعنی بحثـوں میں الجھا لیا ، تب بھی انھوں نے یونانی علوم پر اپنا دروازہ بند نہیں کیا ، بلکہ ان فلسفیوں کے نظریات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا اور یونانی فلسفیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ افلاطونی نظریات پر نظرثانی کریں ۔ یونانی فلسفہ عقیدے کی جـڑ کاٹتا تھا ، مسلمان علماء نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے علم الکلام ایجاد کیا ، جـو عقیدے کے اثبات کے ساتھ حیات و کائنات کے مسائل پر بحث کر سکتا ہے ۔

اسلام کا نظریہ حیات و کائنات اس کی اجازت نہیں دیتا کہ طبیعیات کو مـابعد الطبیعیات سے یا دوسـرے لفظوں میں مادے کو روح سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے ۔ علم کی غایت عرفان ہے اور انسان کی حد تک عرفان کی منزل اعلیٰ عرفان نفس ہے ، اس کا مظہر خشیت ہے اور خشیّت قسـاوت قـلبی کی ضد ہے ۔ آج انسانی معاشرے میں جو قساوت (Callousness) نظر آ رہی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ جدید صنعتی و سائنسی معاشرت سے خوف خدا رخصت ہو گیا ہے ۔ اسلامی نظریہ سے اگر سائنس کا استعمال کیا جاتا تو وہ خشیّت پیدا کـرتا ۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کا

یہی مفہوم ہے اور بعض مفسرین ایک قرأۃ یوں بھی کرتے ہیں :

انّما یخشی اللہ و من عبادہ العلماءِ (یعنی اللہ اپنے بندوں میں سب سے زیادہ علماء کا لحاظ کرتا ہے)

اسلام کے پاس ایک بہت قیمتی سرمایہ ہے جسے چھوڑ کر وہ کچھ بھی نہیں رہ جاتا ۔ وہ ہے نظریہ آخرت یا "بعث بعد الموت" اس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ زندگی میں کسی مقصد اور غایت پر یقین رکھتا ہے ۔ اعمال کا حساب اسی کو دینا ہو گا جو کسی کام پر مامور کیا گیا ہو ۔ مغربی مادی تہذیب نہ زندگی کا کوئی مقصد سمجھتی ہے نہ غایت اس لیے اس کے ہاں کوئی حساب کتاب بھی نہیں ہے ۔ وہ تو کائنات کو اتفاقات کا ایک لا متناہی سلسلہ مانتی ہے ۔ کیچڑ میں رینگنے والا کیڑا اور خلا تک جانے والا انسان ، زندگی میں دونوں برابر کے شریک ہیں ۔ رینگتے ہوئے کیڑے ترقی کر کے پرندے اور چوپائے بن گئے ، چوپایوں میں سے ایک قسم بندر بن گئی دوسری انسان ۔ ہر جاندار اپنے ماحول میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کر رہا ہے اور بقا کے لیے مسلسل جدوجہد میں لگا ہوا ہے ۔ اس نظریے کی رو سے انسان کا خود کو اشرف المخلوقات کہنا اپنے منھ میاں مٹھو بننا ہے ۔ انسان سے زیادہ جہد للبقا میں کامیاب وہ رینگنے والے کیڑے ہیں جو کروڑوں برس سے ایک سی حالت میں زندہ ہیں ، خواہ کیچڑ میں پڑے ہیں مگر انسان سے زیادہ مطمئن ہیں ۔ مغربی نظریہ حیات میں انسان ایک بے دم کا لنگور ہے جو ایک بے مقصد زندگی گذارنے کے لیے اسی طرح پیدا ہوا ہے جیسے مکھی ،

مچھر ، جھینگر اور کیچوے پیدا ہوئے ہیں ۔ اشرفیت اور افضلیت کہاں سے آ گئی ؟ جب جہد للبقا میں سب برابر ہو گئے تو احترام انسانیت کا نظریہ بھی باطل ہو گیا ۔ مگر قرآن بار بار عظمت انسانیت کا نعرہ بلند کر رہا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ زندگی ایک اتفاقی عمل نہیں ہے ، اس کا کوئی عامل ہے جو خالق ہے ، ربّ ہے ، رازق ہے ، محی ہے ، ممیت ہے ، قاہر ہے ، قادر ہے ، وغیرہ ۔ اس نے انسان کو کسی مقصد سے پیدا کیا ہے ، " اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَا کُمْ عَبَثاً وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لاَتُرْجَعُوْن " (۲۳ ۔ ۱۱۵) ۔ وہ زندگی کے اعمال کا حساب لے گا ۔ اس نے انسان کو شرف و کرامت کے ساتھ پیدا کیا ہے ، " وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ " (۱۷ ۔ ۷۰) ۔ اُسے اپنے اوصاف سے متصف کیا ہے ، " وَنَفَخْتُ فِیْهِ مَنْ رُّوْحِیْ " (۱۵ ۔ ۲۹) اور دوسری مخلوقات کے مقابلے میں بہترین قوام سے انسان کو اٹھایا ہے ، " لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم " (۹۵ ۔ ۴)

انسان کے اعمال اسے شرف و فضیلت کا حقدار بنا دیتے ہیں ، " اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقَاکُمْ " (۴۹ ۔ ۱۳) اور اچھے اعمال ساری کائنات کی اصلاح اور احترام انسانیت کی بقا کے ضامن ہوتے ہیں ۔ اس لیے اصلاح بھی وہ معتبر ہے جس کا مقصد احترام انسانیت ہو ۔ یہودیوں پر جو فرد جرم قرآن میں عائد کی گئی ہے اس میں قتل انبیاء و رسُل اور تحریف صحف سماوی کے ساتھ ہی سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ اصلاح کے نام پر فساد پیدا کرتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں ، " وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لاَ تُفْسِدُوْا فِی الاَرْض قَالُوْآ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلا انّہم ھُم المفسدون ولکن لاَّ یشعرون " (۲ : ۱۱ ، ۱۲)

آج کی دنیا میں دو بڑے انقلاب آئے ھیں ۔ ایک سماجی علوم کی سطح پر اشتراکیت کا فلسفہ دوسرے سائنسی علوم میں نظریہ اضافیت اور ایٹم کی دریافت ۔ دونوں کے موجد دو یہودی ھیں کارل مارکس اور آئن اسٹاین ۔ اشتراکیت نے انسانی سماج سے خدا کو بےدخل کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ھے ، وہ صرف مادّی زندگی میں یقین رکھتی ھے ، اس کے نزدیک ماورائے مادّہ کچھ بھی نہیں ھے ۔ انسانیت پر اس کے مضر اثرات کا جائزہ لینا اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں ھے ۔ ایٹم کی دریافت نے بکثرت ایسے تباہ کن ھتھیار بنا کر رکھ دیے ھیں کہ اگر ان میں سے چند بھی استعمال ھو گئے اور کسی محوری جگہ پر گرا دیے گئے تو یہ زمین اپنے مدار سے سرک جائے گی ، جس کا مطلب یہ ھو گا کہ وہ اس نظام شمسی سے نکل کر پاش پاش ھو جائے گی ۔ اب بتائیے کہ یہ اصلاح کے نام پر فساد ھے کہ نہیں ؟

آج سائنس کی سب سے بڑی ضرورت یہ ھے کہ اُسے کوئی مقصد اور غایت مل جائے ، ورنہ اس کی زندگی بہت مختصر ھے ۔ اتنے بہت سے اسباب ھلاکت فراھم ھونے کے بعد بھی یہ توقع کرنا کہ دنیا اسی طرح چلتی رھے گی اور سائنس یوں ھی نئے آفاق کا کھوج لگاتی رھے گی جنّت الحمقاء میں رھنے کے مترادف ھے ۔ امن عالم کی بقا کے لیے کھوکھلے نعرے ، کانفرنسیں ، ترک اسلحہ کے وقتی معاھدے ، غیر جانب داروں کا گٹھ جوڑ ، یہ سب کچھ بھی نہیں کر سکتا ۔ اصل ضرورت یہی ھے کہ طبیعیات و مابعد الطبیعیات کے درمیان کھنچی ھوئی دیوار کو گرایا جائے ، مذھب کو عقل سے کچھ

مزید روشنی ملے گی اور عقل کو مذہب سے کچھ گداز حاصل ہو گا ورنہ ساری انسانی اقدار ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور سیادت و قیادت صرف تشکیک کے ہاتھوں میں رہ جائے گی۔

اور ظاہر ہے کہ اس کارزار حیات میں شک ہمیں دو قدم بھی ساتھ لے کر نہیں چل سکتا۔

مغرب میں مادّیت کی بڑھی ہوئی لے بھی ایک ردّعمل ہے اس لیے کہ ان ملکوں کو صدیوں تک مطالعہ فطرت سے محروم رکھا گیا۔ جب اُنھوں نے چرچ سے بغاوت کر کے فطرت کا مطالعہ شروع کیا تو اپنی سائنسی فکر سے عقیدے کو بےدخل کر دیا ، اس طرح گویا «نظریہ وجود » و وجودیت ہی بالکل الٹا ہو گیا۔ مادّی فلسفے میں وجود کچھ بھی نہیں یہ ایک بےحقیقت موہوم اور متغیّر مظہر ہے۔ مادے اور کائنات میں حرکت ایک میکانکی عمل ہے جس کا کوئی عامل نہیں ، اس لیے وہ بےمقصد بھی ہے۔ اسلام نے زندگی اور موت دونوں کو بامقصد بتایا ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ۰ ۔ « (٦٧ ـ ٢)

اگر کائنات کی علت کون حرکت مادی ہو تو وجود خداوندی کا اثبات کون سی منطق سے ممکن ہے ؟

اس لیے مغربی تہذیب میں جو کچھ بچا کھچا تصوّر اُلوہیّت ہے وہ بھی سراسر بےبنیاد ہو جاتا ہے۔ جب مادّے کو حقیقت اعلیٰ مان لیا گیا تو اس کے ماوراء جو کچھ ہے وہ لازماً باطل ہوا۔ روح بھی ماورائے مادّہ ہے لہذا وہ بھی باطل ہوئی۔ « حق » کا کوئی تصور مادّے سے جدا ہو کر ممکن ہی نہیں رہا۔

جب روح اور نفس باطل ہو گئے تو ان پر جو انکشاف ہو گا اسے کیسے حقیقت مانا جا سکتا ہے ؟ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم خود اپنے وجود کی نفی کر رہے ہیں ۔ عقل بھی مادّی علّتوں کا ایک غیرموثر معلول ہے ۔ یہ بےاثر معلول ایک ازلی وابدی حقیقت اعلیٰ کا راز دار کیسے بن سکتا ہے ؟

نفس اور عقل کوئی مادّی شے نہیں ہیں مگر یہ مادّی جسم میں پیدا ہو رہی ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ مادّہ کوئی غیرمادّی شے کیسے پیدا کر سکتا ہے ۔ سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ۔ مادے کی میکانکی حرکت نے جسم میں تو جان ڈال دی ، لیکن یہ عقل کہاں سے آئی ؟ قرآن کے پاس اس کا سیدھا سا جواب موجود ہے ۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (۱۷ ـ ۱۵) وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (۱۵ ـ ۲۹) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد ۔(۵۰ ـ ۱٦)

اس کے مان لینے سے سائنس کے نظریات تلپٹ نہیں ہو جاتے ۔ اُنھیں ایک مضبوط فکری اور مابعد الطبیعاتی بنیاد مل جاتی ہے ۔ جدید سائنس یہودیت اور عیسائیت کے ہاتھوں میں پڑ کر انسان کے لیے ہی نہیں سارے نظام کائنات کے لیے ایک زبردست خطرہ بن گئی ہے ۔ یہاں سے مسلمان علماء کا قصور شروع ہوتا ہے ۔

اسلام ہی وہ مذہب تھا جو سائنس کو ایک اعلیٰ اور ارفع مقصد و غایت دے سکتا تھا ۔ اور مسلمان ہی اسے اصلاح فی الارض کا وسیلہ بنا سکتے تھے ۔ اگر مسلمان علماء نے اجتہاد فی العلوم کے دروازے بند نہ کر دیے ہوتے اور علم الادیان کے ساتھ ہی علم الابدان

کو بھی لے کر چلے ہوتے تو سائنس ایسی گم کردہ راہ نہ ہوتی جیسی که آج ہے ۔ یہ جو کچھ زرق برق ایجادیں ہیں یہ سب ہوتیں ، بس ان کا مقصد اور مصــرف مختلف ہوتا ۔ اسلام اور سائنس کی ترکیب و امتزاج سے دنیا کو توحید کا بھی ایک سائنسی تصور مل سکتا تھا اور آخرت کا بھی ۔ سائنس کی زندگی بھی زیادہ طویل ہوتی اور اس سے صالح انسانوں کا وہ طبقہ پیدا ہوتا جسے زمین کا وارث کہا گیا ہے ۔

لیکن ماضی تمنّائی کے ان صیغوں میں گفتگو کرنے سے کیا ہوتا ہے سـائنس اپنے راستے پر آگے نکل گئی ہے اور مسلمان اپنے خواب خرگوش میں مست ہیں ۔ نقصـــان انسانیت کا نہیں پوری کائنات کا ہو رہا ہے ۔ ایک سوچنے والا باشعور ذہن سب سے زیادہ کرب واذیّت میں مبتلا ہے ۔ وہ نہ سائنس کو بغیر تصوّر حقیقت اعلیٰ کے مان سکتا ہے اور نہ حقیقت اعلیٰ کے کسی غیر سائنسی تصوّر پر قناعت کر سکتا ہے ۔

قرآن مجید کے حروف مقطعات

الطاف علی قریشی

قرآن مجید کی ۲۹ سورتوں میں مضمون سورۃ شروع ہونے سے پہلے کچھ مفرد حروف آتے ہیں ۔ ان کو مقطعات کہتے ہیں ۔ مثلاً سورۃ البقرہ کے شروع میں الٓمٓ ایک مقطعہ ہے جس میں تین حرف ہیں ، الف لام اور میم ۔ اسی طرح سورۂ مریم کے شروع میں کہیعص ہے ۔ اس میں پانچ حرف ہیں ، کاف ھا ۔ یا ۔ عین ۔ صاد ۔ ان تمام مقطعات کے حروف الگ الگ پڑھے جاتے ہیں ، ملا کر نہیں پڑھے جاتے ۔ ان پر کہیں کہیں مد اور کھڑا زبر بھی لگا دیتے ہیں ۔ پس مقطعات اور حروف مقطعات میں یہ فرق سمجھ لیں کہ الم ۔ الر ۔ کہیعص ، یہ مقطعات کہلاتے ہیں ، اور الف ۔ لام ۔ میم یا الف لام ۔ را یا کاف ۔ ھا ۔ یا عین ۔ صاد ، یہ حروف مقطعات ہیں ۔

کل مقطعات قرآنی مع مکررات ۳۰ ہیں ۔ اگر مکررات کو شمار نہ کیا جائے تو مقطعات کی تعداد ۱۴ بنتی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے : ۔

(۱) الم ، ٦ دفعہ ۔ (۲) المص ، ۱ دفعہ ۔ (۳) الر ، ۵ دفعہ ۔ (۴) المر، ۱ دفعہ ۔

(۵) کہیعص ، ۱ دفعہ ۔ (٦) طہ ، ۱ دفعہ ۔ (۷) طسم ، ۲ دفعہ ۔ (۸) طس ، ۱ دفعہ ۔